© rasailojaraid.com

بشیر احمد ڈار

خلیفہ صاحب کی علمی خدمات

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کشمیریوں کے ایک متوسط خاندان میں گیارہ جولائی ۱۸۹۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا جو کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور میں آباد ہوئے تھے پشمینہ کا کام کرتے تھے۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا اور ان کی وابستگی کا مرکز چینیانوالی مسجد تھی۔

خلیفہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد دو سال تک علیگڑھ میں تعلیم پائی اور پھر سینٹ سٹیفن کالج دہلی میں داخل ہوئے جہاں سے انہوں نے ۱۹۱۷ء میں فلسفہ میں ایم۔ اے کیا اور پنجاب بھر میں اول رہے۔ امتحان میں انہوں نے جو مقالہ پیش کیا وہ رومی کے فلسفہ سے متعلق تھا جس کی ایک کاپی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے ایل ایل۔ بی پاس کیا اور اسی سال عثمانیہ یونیورسٹی میں بطور لیکچرار فلسفہ ان کا تقرر ہو گیا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے اور ہائیڈل برگ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ ڈی حاصل کی۔ ان کا مقالہ "مابعد الطبیعیاتِ رومی" مولانا روم کے فلسفہ پر بہترین کتاب ہے جو بعد میں ۱۹۳۳ء میں پہلی بار لاہور سے شائع ہوئی۔ ان کی عمر کا بہترین حصہ حیدرآباد دکن کی علمی فضا میں گزرا جہاں وہ سیاست سے بالکل الگ تھلگ علم کی تحصیل و ترویج میں مشغول رہے۔ ۱۹۴۳ء میں وہ ریاست جموں اور کشمیر میں بطور ڈائرکٹر تعلیمات مقرر ہو کر گئے۔ لیکن جلد حیدرآباد واپس پہنچ گئے جہاں سے وہ ۱۹۴۶ء میں ریٹائر ہو گئے۔

خلیفہ مرحوم نے فیصلہ کیا کہ باقی ماندہ زندگی کشمیر کے پُرفضا ماحول میں بسر کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے نسیم باغ میں کافی وسیع و عریض زمین خرید کر ایک دلکش بنگلہ تعمیر کرایا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد سیاسی حالات بگڑنے کے باعث وہ لاہور میں آکر آباد ہو گئے۔ بعد میں جب کبھی وہ اس ترک مکانی کا ذکر کرتے تو انہیں اس مکان کے نقصان سے زیادہ اس لائبریری کے ضائع ہونے کا غم تھا جس کو وہ اپنی ساری علمی زندگی کا سرمایہ سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کا صحیح اور اصلی مقصد یہ تھا کہ اسلامی نظریات کو عملی شکل دینے کی کوشش کی جائے اس مقصد کے حصول کے لیے بقولِ اقبال تطہیرِ فکر کی انتہائی ضرورت تھی۔ مغربی علوم کی ترویج سے مسلمان نوجوان کا ذہن لادینیت سے مسموم ہو چکا تھا اور اس لیے اسلام کی قدیم تعبیر اس کے لیے بے کار ہو چکی تھی۔ اسلام کی خوبیوں کے نظری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتراف کے باوجود وہ اس کے عملی فوائد سے مایوس ہو چکا تھا۔ اس ذہنی انقلاب کو پیدا کرنے کے لیے لاہور میں ۱۹۵۰ء میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس کے پہلے ڈائرکٹر خلیفہ عبدالحکیم مقرر ہوئے۔ انہوں نے اس عظیم الشان مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے انگریزی میں ایک کتاب "اسلام کا نظریۂ حیات" لکھی۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے پاکستان میں سب سے پہلی کامیاب کوشش تھی جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو جدید فکر و فلسفہ کی روشنی میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کی زبان بالکل سادہ تھی اور اس کا اولیں مخاطب وہی مغربی تعلیم یافتہ گروہ تھا جس کے قلب کے اندر اسلام سے وابستگی ضرور موجود تھی لیکن جو اسے جدید سائنسی طرزِ فکر کی اصطلاحات کے بغیر عقلی طور پر ماننے کے لیے تیار بھی نہ تھا۔ اسلامی اصولوں کی بنیاد پر جو اخلاقی، اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی تخیلات اور عوامل بروئے کار آسکتے تھے ان کی بھی تفصیلی وضاحت کر دی گئی۔

لیکن جدید زمانے میں نہ صرف اسلام بلکہ ہر ایسے نظامِ فکر کے لیے جس کی بنیاد خدا پر ایمان اور چند اخلاقی اور روحانی اقدار کے اقرار پر مبنی ہے اشتراکیت سے بڑھ کر کوئی بڑا خطرہ نہیں۔ اشتراکیت خدا اور روحانی و اخلاقی اقدار کے مکمل انکار کے ساتھ ساتھ انسان کے عقلی اور ارادی پہلو کو پورے طور پر معاشی عوامل کا پابند بنا کر اس کی انفرادی آزادی کو ختم کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے آخری باب میں خلیفہ صاحب نے اشتراکیت اور اسلام کا موازنہ کر کے اول الذکر کی خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔ مگر اس موضوع کی وسعت اور اشتراکیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے پیش نظر جلد ہی انہوں نے ایک علاحدہ مفصل کتاب "اسلام اور اشتراکیت" کے نام سے انگریزی میں لکھی۔ اس میں انہوں نے اشتراکیت کے بنیادی نظریات کا معروضی طور پر جائزہ لیا اور اس کے مابعد الطبیعی، اخلاقی اور معاشی نتائج کو روسی معاشرے کی تشکیل کی عملی شکل میں پیش کر کے اس کی کمزوریوں کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد اسلام کے معاشرتی اور اقتصادی اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے اسلامی جمہوری نظام اور اسلامی نظامِ معیشت کا ایک عملی نقشہ پیش کرنے کی کوشش بھی کی۔

اشتراکیت اور مادیت کے اس خوفناک حملے سے متاثر ہو کر مغربی ممالک کے عیسائیوں نے کوشش کی کہ دنیائے اسلام کے مفکرین ان کے ساتھ مل کر اس لادینی نظامِ فکر کا مقابلہ کریں۔ جب ان کی طرف سے اس قسم کی پیش کش کی گئی تو مسلمانوں نے اسے قرآن مجید کی دعوت سمجھ کر فوراً دستِ تعاون بڑھایا۔ قرآن حکیم نے آں حضرت کو حکم دیا کہ آپ اہل کتاب کو دعوت دیجئے کہ ہم میں اور آپ میں جو چیز مشترک ہے یعنی خدائے واحد پر ایمان اس کی بنا پر ہم مل کر کام کریں۔ اور ان لوگوں کو جو اس سے منکر ہیں اس حقیقتِ مطلقہ کی طرف دعوت دیں۔

قل یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سواءٍ بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ (۳ : ۶۴)

اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ اللہ کے سوائے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا ارباب نہ بنائے ۔

قرآن کی یہ دعوتِ اتحاد اور اشتراکِ عمل صدیوں تک عیسائی دنیا کے سامنے رہی لیکن کسی نے اس آواز پر لبیک نہ کہا۔ جب اشتراکی ادبیت سیاسی طور پر مغربی ممالک کی سالمیت کے لیے ایک خطرہ بن گئی تو انہوں نے مسلمانوں کو اشتراکِ عمل کی دعوت دی۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء میں لبنان کے ایک شہر بحمدون میں ایک بین الاقوامی مجلسِ مذاکرہ کا پہلا جلسہ ہوا جس میں خلیفہ عبدالحکیم نے بھی شرکت کی۔ انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں ایک ایسے مذہب سے وابستہ ہوں جس کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی ہر بڑی چھوٹی قوم کے پاس خدا کے پیغمبر خدا کا پیغام لے کر آتے رہے اور ان تمام پیغمبروں، ان کی کتابوں اور ان کے مذاہب کی تصدیق اور توقیر میرے قلب و ذہن میں اس وقت جاگزیں تھی جب شاید میں اس قابل نہ تھا کہ دین کی صحیح حقیقت کو پا سکتا۔ اس اجتماع میں انہوں نے ایک بہت اہم مسئلے پر تقریر کی؛ اسلام کس طرح نئی پود تک اپنے روحانی اور اخلاقی اقدار کو پہنچا سکتا ہے؟ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی بنیاد اسی مقصد کے حصول کے لیے ڈالی گئی تھی۔ خلیفہ مرحوم نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلے پر زیادہ خوش قسمت ہے۔ اور اس میں اس کام کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ نئی نسل کے سامنے اپنے نظریۂ حیات کو بہترین شکل میں اور موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق پیش کر سکے۔ اگر ہم نے پوری کوشش کی تو بہت جلد مسلمان تہذیب و تمدن کے علمبردار بن سکتے ہیں اور باقی اقوام کے ساتھ امن، انصاف، اور دوستی کی بنیاد پر نئی زندگی کی شمع روشن کر سکتے ہیں۔

اس کے ۲ سال بعد لبنان کے اسی شہر میں اس انجمن کا دوسرا اجلاس ہوا۔ جہاں فیصلہ ہوا کہ اس انجمن کے نمائندے کے طور پر خلیفہ عبدالحکیم اور شیخ بہجت بیطار اضلاع متحدہ امریکہ اور کنیڈا کا دورہ کر کے وہاں کے لوگوں کے سامنے اسلامی دنیا کے نقطۂ نظر کی تشریح کریں اور اسلام کے نظریۂ امن و آشتی کا پیغام ان تک پہنچائیں۔ یہ دورہ چھ ہفتے کا تھا اور اس دوران میں دونوں ملکوں کے دور دراز علاقوں تک ان دونوں نے اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اس کے قبل ۱۹۵۲ء میں مشہور نوترے ڈیم یونیورسٹی کی دعوت پر بھی وہ امریکہ گئے تھے۔ جہاں ان کے ایک مشہور مذاکرے میں حصہ لیا تھا۔ ان کا موضوع تھا، "اسلام میں تصورِ قانون" جو بعد میں دوسرے اراکین کی تقریروں کے ساتھ ایک کتابی شکل میں شائع ہوا تھا۔

ایک بین الاقوامی ادارہ "انسانی اخوت" (HUMAN BROTHERHOOD) کے نام سے قائم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسانوں کو ملک، مذہب، ملت، رنگ، زبان کے امتیازات سے بالاتر ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور اس طرح خالص انسانی نقطۂ نظر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ درحقیقت یہ کوشش خالص اسلامی تھی۔ قرآنی نظریۂ حیات کے مطابق اسلام تمام بنی نوع انسان کی فلاح کا ذمہ دار ہے اور اس کا پیغام بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے ہے۔ یہی ایک دین ہے جس نے صحیح معنوں میں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی جس میں نسل، زبان، رنگ کے امتیازات بالکل کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ موجودہ دور کا اسلامی معاشرہ اپنے دوسرے نقائص کے باوجود اس معاملہ میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم اس بین الاقوامی ادارہ کے سرگرم رکن تھے۔ ان کا دل ہر قسم کے تعصبات سے خالی تھا اور وہ دوسرے مذاہب اور ان کے پیرووں کے متعلق انسانی نقطۂ نگاہ سے سوچتے تھے۔ ان پر تصوف کا رنگ بہت زیادہ نمایاں تھا اور شاید یہ تصوف ہی کا اثر تھا کہ دوسرے انسانوں سے ملتے وقت ہمیشہ وہ انسانی نقطۂ نگاہ سامنے رکھتے اور کبھی اختلافِ مذہب و ملت کو درمیان میں نہ لاتے تھے۔

حکومت پاکستان نے اسلامی قوانین کو جدید زمانے کی نئی معاشرتی ضروریات کے مطابق تشکیل دینے کے لیے زکوٰۃ کمیشن بٹھایا جس کے صدر خلیفہ عبدالحکیم تھے۔ اس کمیشن کا مقصد یہ تھا کہ زکوٰۃ کو اس طرح منظم کیا جائے کہ اس سے معاشرتی فلاح و بہبود کا کام لیا جا سکے۔ زکوٰۃ کے مصرف میں مثلاً ابن السبیل کی مدد بھی شامل ہے۔ جدید رجحان کے علماء نے یہ رائے دی کہ موجودہ زمانے میں سڑکوں کی توسیع و مرمت، ریلوے، تار و ڈاک خانہ، ہوائی جہاز اور بحری جہاز وغیرہ کے محکمے ابن السبیل کی مدد کے مترادف ہیں۔ کیا ان محکموں پر روپیہ خرچ کرنا زکوٰۃ کے مصرف میں شامل نہیں ہو سکتا؟ قدیم مکتبِ خیال کے علماء جو اس کمیشن کے ممبر تھے اسلام کے اقتصادی اصولوں کی اس جدید اور جائز توسیع سے متفق نہ ہو سکے اور اس طرح ایک عمدہ کام سر انجام نہ پا سکا۔ کچھ عرصے بعد حکومت نے عائلی کمیشن کی تشکیل کی اور خلیفہ عبدالحکیم اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ لیکن اس قدیم و جدید کی کشمکش کے باعث اس کمیشن کی سفارشات پر بھی عملدرآمد نہ ہو سکا۔

قدیم اور جدید مکاتیبِ فکر کی یہ کشمکش موجودہ دور کی اسلامی دنیا کے ایک اہم مسئلہ ہے اور ہر اسلامی ملک میں اس اختلاف نے بعض دفعہ افسوسناک صورت اختیار کر لی ہے۔ پاکستان میں کوشش کی جا رہی ہے کہ اس الجھن کو عمدگی اور خوش اسلوبی سے رفع کیا جائے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ جدید علوم و فنون اور صحت مند معاشرتی اور اقتصادی تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی تمام سرگرمیاں اسی مقصد کے حصول کے لیے تھیں۔

خلیفہ صاحب مرحوم کو فارسی اور اردو ادب سے بڑا شغف تھا۔ ان کو ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے اور اکثر خالص فلسفیانہ اور مذہبی مباحث کے دوران میں وہ اشعار کو بطور مثال اس طرح پیش کرتے کہ تمام مسئلہ واضح ہو جاتا۔ حافظ شیرازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ان کی عقیدت بہت زیادہ تھی۔ وہ اکثر بڑے ذوق و شوق سے اپنی زندگی کے بے شمار واقعات سنایا کرتے جب انہوں نے اس لسان الغیب سے راہنمائی حاصل کی تھی اور اس سلسلے میں ان کے قصے ایک تاریخی حیثیت رکھتے تھے۔ زندگی کے مختلف دوروں میں کوئی اہم فیصلہ کرتے وقت یا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ ضرور دیوانِ حافظ سے فال دیکھتے۔ جب کبھی کوئی معاملہ انہیں غیر معمولی طور پر پریشان کرے اور وہ کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہ پہنچ سکتے تو فوراً حافظ کی طرف رجوع کرتے اور ان کا کہنا تھا کہ جو قدم انہوں نے اس فال کی بنا پر اٹھایا وہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوا۔

غالب کی فارسی اور اردو شاعری سے بھی ان کا شغف بہت گہرا اور دیرینہ تھا۔ انہوں نے "افکارِ غالب" میں ان کے فلسفیانہ اشعار کی بہت عمدہ تشریح پیش کی جس کو ہر جگہ پسند کیا گیا۔ لیکن سب سے بڑھ کر انہیں اقبال اور رومی سے عشق تھا۔ اقبال کے متعلق ان کا سب سے پہلا مضمون "اقبال، نٹشے اور رومی" تھا جس میں انہوں نے اقبال کے فکر کے مشرقی اور مغربی ماخذوں کا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ ان کی کتاب "فکرِ اقبال" اپنی معنوی خوبیوں کے لحاظ سے اقبالیات میں ایک بلند ترین مقام رکھتی ہے۔ اس میں انہوں نے اقبال کے فلسفہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی۔ ان کے بنیادی فلسفہ اور اس سے مستنبط اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور دینی نظریات کو بڑی فصاحت سے پیش کیا ہے۔ اس کے آخر میں علامہ اقبال کے انگریزی لیکچروں "تشکیلِ جدید" کے ہر باب کا ایک بہت عمدہ خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ علامہ اقبال کے زیرِ اثر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم رومی کے کلام اور فلسفہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ۱۹۱۷ء میں انہوں نے رومی پر مقالہ لکھا۔ ۱۹۲۲ء میں ان کی انگریزی کتاب "رومی کی مابعد الطبیعیات" تیار ہوئی جو ۱۹۳۳ء میں چھپی۔ آج تک اس موضوع پر کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی۔ ۱۹۲۵ء میں حکمتِ رومی طبع ہوئی جس میں انہوں نے مولانا روم کے فلسفہ پر ایک نئے انداز میں سیر حاصل بحث کی۔ ان کی آخری کتاب "تشبیہاتِ رومی" اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک اچھوتی کوشش ہے۔ اس میں بسط و تفصیل سے انہوں نے بتایا کہ رومی سا نباضِ فطرت معمولی تشبیہوں سے کام لے کر فلسفۂ حیات اور کائنات و انسان کے اسرار و غوامض کس آسانی سے حل کر دیتا ہے۔

لیکن خلیفہ عبدالحکیم کے صحیح علمی مقام کا اندازہ ان کی ان تصنیفات سے کہیں زیادہ ان کی گفتگو سے مل سکتا تھا جب وہ کسی مسئلہ پر گفتگو کرتے تو ہر شخص ان کے طرزِ تکلم سے مسحور ہو جاتا۔ ان کے پاس لوگ ہر قسم کے مسائل لے کر آتے۔ ان میں سے بعض تو خدا تک کے منکر ہوتے تھے۔ لیکن خلیفہ صاحب کی زبان میں اتنی چاشنی ہوتی تھی اور ان کے علم و فکر کی گہرائی اتنی عمیق ہوتی تھی کہ ہر شخص مطمئن ہو کر جاتا تھا۔ وہ ہر شخص سے اس کے مبلغِ فکر کے مطابق بات کر سکتے تھے۔ وہ گھنٹوں باتیں کرتے رہتے لیکن کوئی شخص اکتاتا نہ تھا۔ کبھی دقیق مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے، کبھی شعر و شاعری کا ذکر ہو رہا ہے۔ کبھی لطائف و ظرائف موجود ہوتے۔ غرض وہ اپنی مجلسوں میں کئی رنگوں کا مرقع تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصوف اور شاعری کے اس ذوق کے باعث وہ دل کے بہت نرم تھے۔ ہمدردی اور سخاوت میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ضرورت ہے فوراً اس کی حاجت سے بڑھ کر اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاتے اسلام اور پاک حضرت سے ان کی شیفتگی عشق کی حد تک تھی۔ جب کبھی کسی عیسائی کی طرف سے کوئی اعتراض ہوتا تو وہ اس طرح مدافعت کے لیے تیار ہو جاتے کہ دیکھنے والے حیران ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ وہ عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے اور دوست اور دشمن دونوں ان کی صلاحیتوں کے قائل تھے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار

عہد قدیم میں چین، ایران، مصر اور یونان کی تہذیبوں نے حیرت انگیز ترقی کر لی تھی اور اس دور کے مفکروں نے جو افکار و نظریات پیش کیے انہی کی بنیاد پر آنے والے زمانوں میں انسانی افکار کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوتی رہی۔ اس کتاب میں اسلام سے قبل کے چند بلند پایہ حکماء و مصلحین کے اخلاقی نظریات کا تقابلی مطالعہ کر کے ان کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ اور کون فیوشس، گوتم بدھ، زرتشت، مانی، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکروں اور مصر قدیم کے فلسفیوں کے نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ تلاش حق انسانی فطرت کا ایک لازمی تقاضا ہے اور عصری تقاضوں کی روشنی میں حقائق تک پہنچنے کے لیے حکمائے قدیم کے افکار کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اور یہ کتاب اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ:

سیکرٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com